



تھی اور فرزانہ بہابی بہت خیال رکھتے تھے تبھی ایک واقعہ اس وقت ظہور پذیر ہوا جب میں تین بچوں کی ماں ہو چکی تھی وہاں بھی دو بچوں کا جنم ہو چکا تھا۔ ملک حیات خان اور ان کے گھر والے اپنے بیٹے کے رشتے کے سلسلے میں دوسرے گائوں گئے ہوئے تھے۔ گھر میں چھوٹا لڑکا اور دو بیٹیاں تھیں۔ ان لوگوں کو گئے دوسرا دن تھا کہ گھر سے نگینہ غائب ہو گئی۔ یہ ملک صاحب کی بڑی بیٹی تھی۔ جو بیٹا گھر میں تھا، اس نے جا کر اپنے والدین کو اطلاع دی۔ یہ لوگ بھاگے بھاگے گھر لوٹ آئے۔ نگینہ کو رشتے داروں کے گھر، جہاں جہاں ممکن تھا، ڈھونڈا کیا، اس کا پتا نہ چلا۔ اس کی چھوٹی بہن روبینہ نے بتایا کہ وہ چھوٹے بھائی کو دودھ کا برتن دینے باڑے کی طرف گئی تھی۔ پہلے تو ہم نے سمجھا کہ گھر میں یہیں کہیں ہے، پندرہ روز سبھی اس واقعے سے پریشان رہے۔ اچانک ایک دن زمان بھائی گھر سے غائب ہو گئے۔ والد کو شک گزرا۔ انہوں نے بیٹے کے ایک گھرے دوست کو اعتماد میں لے کر اس سے بات کی تو اس نے بتایا کہ چچا جان! آپ کا بیٹا ملک حیات کی بیٹی کو لے گیا ہے۔ شہر میں ایک دوست کے گھر رکھا ہوا ہے۔ مجھ کو قسم دی تھی کہ آپ کو نہ بتائوں لیکن وہ آگ سے کھیل رہا ہے، آپ کو خبر کرنا ضروری سمجھنا ہوں ورنہ آپ کا سارا گھرانہ اس آگ کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ کریم بخش نے صحیح کہا تھا یہ معمولی اطلاع نہ تھی۔ والد صاحب کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ کریم نے مزید بتایا کہ دونوں نے چپ کر نکاح کر لیا ہے اور جس دوست کے گھر چھپے ہیں، وہ قانون دان کا بیٹا ہے۔ والد صاحب، ملک معظم خان کے مقابل ایک کمزور شخص تھے۔ وہ کسی صورت ان سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے۔ یہ معاملہ تو پھر ملک حیات خان کی بیٹی کا تھا، ان کی عزت و ناموس کا مسئلہ تھا۔ دودن تو والد اور چچا سر جوڑ کر بیٹھے رہے۔ دونوں بھائی گم صم تھے کہ اب کیا ہو گا اور کیا کر یں لیکن چپ رہنے میں بھی بھلائی نہ تھی۔ یہ بات ایک دن ملک صاحب کے علم آئی تو اس کو سارے گھر اور پاس پڑوس میں بھی ڈھونڈا۔ سبھی نے بتایا کہ ہمارے گھر نہیں آئی ہے۔ ملک صاحب یہ ساری روداد سن کر پریشان تھے۔ مخالفوں پر شک تھا ان کے خلاف ریپٹ لکھوا دی۔ نگینہ کی تلاش زور و شور سے جاری تھی، اس کا سراغ نہ ملا۔ زمان بھائی بدستور گھر میں موجود تھے لہذا ان پر کسی کا شک نہ کیا۔ یوں بھی ملک صاحب، زمان پر اعتماد کرتے تھے۔ ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ یہ لڑکا ان کی بیٹی کو لے جاسکتا ہے وہ تو کھال ادھیڑ کر رکھ دیتے۔ ہم بھی عزت والے تھے، وہ ہماری عورتیں بھی آٹھوا سکتے تھے۔ میرے بھائی نے حرکت ہی ایسی کی تھی، گھر والوں کی عزت کا بھی خیال نہ کیا اور ملک صاحب کے اعتماد کو دھوکا دیا جو ان کو بیٹے جیسا سمجھتے تھے اور گھر میں آنے کی اجازت دی ہوئی تھی۔ بہت سوچنے کے بعد بھی جب والد صاحب کو کوئی راہ سجھائی نہ دی تو انہوں نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ٹھان لی یوں کہ خود ہی ملک صاحب سے بات چیت کو مناسب خیال کیا۔ ابا جان نے گائوں کے معزز لوگوں کو ساتھ لیا اور ملک صاحب کے در دولت پر حاضر ہو گئے۔ ان سے کہا کہ میں تمہارا مجرم بن کر خود ہی حاضر ہو گیا ہوں، اب جو چاہے سزاؤ۔ میرا سر کاٹ دو یا مجھ کو سولی پر لٹکا دو کیونکہ میرے بیٹے نے وہ خطا کی ہے جو گائوں کے رواج کے مطابق ناقابل معافی ہے۔ اس نے ہم دونوں گھرانوں کی عزت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ آپ کی عزت تو ہم سے زیادہ ہے اس لئے نقصان بھی آپ کا زیادہ ہوا ہے۔ ایسا کہتے ہوئے اباجان نے اپنی پگڑی ملک صاحب کے قدموں میں رکھ دی اور زار و قطار رونے لگے۔ ملک صاحب تو اپنے دشمن کے خلاف نجانے کیا سوچے بیٹھے تھے، میرے والد کی حالت زار دیکھ کر ان کو اس بوڑھے، نیک اور شریف شخص کی بے بسی پر رحم آ گیا۔ کہا کہ نہ تو کسی کا سر کاٹ کر میری عزت واپس آسکتی ہے اور نہ کسی کو جیل ڈالو کر میرا نقصان پورا ہو سکتا ہے۔ میری عزت گئی ہے جس کا کوئی مول نہیں اگر عزت کا کوئی مول ہوتا ہے تو وہ عزت کے بدلے عزت ہے لہذا یہ سودا اسی طرح برا ہو سکتا ہے۔ والد صاحب نے کہا کہ آپ کی بات کو میں سمجھا نہیں۔ میری بیٹی شادی شدہ ہے اور بہو بھی...! آپ چاہیں تو میں آپ کی بیٹی کے بدلے اپنی چھوٹی لڑکی کا رشتہ آپ کو دینے پر تیار ہوں، آپ کے بیٹے کے لئے یا جس سے چاہیں بیاہ دیں۔ دیکھو مرید...! بے شک جرم تم نے نہیں کیا، تمہارے بیٹے نے کیا ہے لہذا اخطاوار تو وہی ہے لیکن ہمارے یہاں کارواج یہی ہے کہ بیٹے کے جرم کی سزا باپ ہی کو ملتی ہے۔ تمہارے بیٹے نے ہماری عزت کا جنازہ نکالا ہے، چاہئے تو یہی کہ ہم تمہاری عزت کا جنازہ نکال دیتے لیکن ہمیں تم پر رحم آتا ہے۔ گائوں کے یہ سارے معزز لوگ تمہارے ساتھ آئے ہیں، ہم کو ان کا بھی خیال ہے لہذا ہم نے اپنی بیٹی کو تمہاری بہو تسلیم کر لیا ہے لیکن اس کی سوتن ہم کو برداشت نہیں لہذا زمان کو اپنی بیوی کو طلاق دینا ہو گی ورنہ ہم اپنی بیٹی کی طلاق کرا دیں گے اور اس کو اپنی تحویل میں لے لیں گے اس کے بعد ہم خود زمان سے اچھی طرح نمٹ لیں گے اس لئے یہ حل نکالا ہے کہ خون خرابہ ہو اور نہ ہم اپنی عزت کو کورٹ، کچہریوں میں اچھالتے پھر یں۔ تمہارا لڑکا ہماری لڑکی سے نکاح کر چکا ہے، ہم نے یہ تسلیم کر لیا ہے لیکن تاوان تو ہم لیں گے۔ یوں سمجھ لو کہ ہم نے تم کو اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا ہے لیکن بیٹی کے رشتے کے بدلے میں تمہاری بیٹی کا رشتہ لازمالیں گے۔ بس ہم تمہاری بڑی لڑکی کا ہی رشتہ لیں گے جو بیابی ہوئی ہے۔ اس کی تم کو طلاق کرائی ہو گی۔ تمہاری چھوٹی لڑکی اتنی کم عمر ہے کہ ہم اس کے ساتھ نکاح کرنا مناسب نہیں جانتے۔ یہ سزا تو سر اتارنے سے بھی زیادہ کڑی تھی۔ اس سے تو اچھا تھا کہ ملک حیات میرے ابا جان کا سر ہی اتار لیتا یا پھر ان کو سولی پر لٹکا دیتا لیکن افسوس کہ xaxa فیصلہ حیات خان کے حق میں دے دیا۔ اباجان نے بہت ہاتھ جوڑے مگر حیات خان کسی صورت راضی نہ ہوا۔ اس نے کہا۔ ہم تمہاری بڑی بیٹی سے ہی بیاہ کر یں گے۔ یہ بدلہ ہے ہماری بیٹی سے تمہارے بیٹے کے نکاح کرنے کا اور ہم اپنی بیٹی کی سوکن بھی برداشت نہیں کر میں گے تو زمان کو اپنی پہلی بیوی کو بھی طلاق دینی ہی ہو گی۔ اب سمجھ گئے ہو نا میری بات...؟ اچھی طرح! جہاں سروس کی بازی دانو پر لگی ہو، وہاں یہ شرط کچھ بھی نہیں تھی۔ اباجان کو تو زمان کی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور بیٹے کی زندگی کے بدلے بیٹی اور بہو کی قربانی ان کو ارزاں معلوم ہو رہی تھی۔ معززین گائوں نے بھی خون خرابے سے بچانے کی خاطر حیات خان کی بات کو مان لیا۔ میرے بھائی زمان کی وجہ سے ہم دولڑکیاں رواج کی قربان گاہ پر بھیج دے دی گئیں۔ فرزانہ کو طلاق ملی اور میرا گھر اجاڑ کر مجھے بھی ملک حیات کے حوالے کر دیا گیا۔ یوں عزت کے بدلے عزت کی رسم کو پورا کر دیا بلکہ باندی بنا کر پیش کر دیا۔ فرزانہ کو طلاق کے بعد میرے خالہ زاد بھائی نے نکاح میں لے کر اپنے گھر میں بسالیا لیکن ان کے بچوں کو ان سے جدا کر دیا گیا۔ پوتے اور پوتی کو اباجان نے اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ اسی طرح فرزانہ کے بچے ماں کے لئے روتے بلکتے رہ گئے اور ان کی ماں دوسرے گائوں بھیج دی گئی۔ میرے تین بچے بھی میری ماں نے رکھے تمام عمر میں جن کے ملنے کو ترستی رہی ہوں۔ عمر بھر میں ملک صاحب کی بیوی ضرور رہی لیکن ان بیٹی کے بدلے تاوان میں آئی تھی اس لئے ان کے سارے خاندان نے مجھ سے نوکرانی کے جیسا سلوک کیا۔ آج تک میں

اٹھ اٹھ کر خدا سے معظّم کو اور وہ مجھ کو نہیں بھولے۔ انہوں نے دوسری شادی بھی نہیں کی سنا ہے اب بھی راتوں کو فریاد کرتے ہیں جس نے جانے کس کارن ان کو مجھ سے اور مجھے ان سے جدا کیا۔ چونکہ میں ان کے باپ کی عزت تھی سو حیات خان کی وفات کے بعد بھی مجھ کو ان کے لڑکوں نے واپس بھی میکے جانے نہ دیا۔ اگر رواج اتنے سخت نہ ہوتے اور ابا بھی کو شہری لڑکی سے شادی کرنے دیتے تو آج میں اور فرزانہ برباد نہ ہوتے – میرے بچے بھی ماں کی ممنا سے محروم ہو گئے۔  
رواجوں کی زنجیریں ٹوٹتی ہی نہیں – آخر ان رواجوں کی قربان گاہ پر کب تک بیٹیاں بھینٹ چڑھتی رہیں گی؟]